Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم وحکمت قرآن کے لیے مقررہ نصاب کے مطابق

اصطلاحات قرآن



الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم-33، نزد جمالی پُل، M-9 موٹروے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

اَلْهَجْرُ اَلْهِجْرَانُ کے معنی ہے دوسرے سے جدا ہونا۔ یہ جدائی بدنی ہو، زبان سے ہو یا دل سے۔ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ (النساء:۳۴) ”پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔“ میں بدنی جدائی مراد ہے۔

اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (الفرقان:۳۰)

”کہ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔“ میں دل یا دل اور زبان سے دونوں کے ذریعہ جدا ہونا مراد ہے۔ (راغب اصفہانی) کسی چیز کو چھوڑ دینا، ترک کر دینا، الگ ہو جانا، قطع تعلق کر لینا اور اعراض برتنا بھی اَلْهَجْرُ اور اَلْهِجْرَانُ کے معنی میں شامل ہے۔ (لغات القرآن) ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی قطع و جدائی کے ساتھ اس کے دوسری معنی ”کس کر باندھنا“ بتایا ہے۔

اَلْهِجْرَةٌ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں کوچ کر جانا۔ اَلْمُهَاجِرَةٌ کے معنی ایک دوسرے سے کٹ جانے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ اہلِ عرب کے نزدیک بادہ نشینوں کا شہر کی طرف منتقل ہو کر آ جانا بھی اَلْمُهَاجِرَةٌ کہلاتا تھا۔ اس شخص کو جو اپنے دین پر آزادی سے عمل نہ کر سکے اور پھر اپنا وطن، رشتہ دار، مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر دوسرے شہر یا وطن چلا جائے تو یہ سب کچھ ”چھوڑ دینے“ کا نام هِجْرَةٌ ہے۔ اور ایسا کرنے والے کو مہاجر کہتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے جس عمل کو ہجرت کا نام دیا ہے اس کی لازمی تین شرائط ہیں۔ اول یہ کہ جس علاقہ سے ہجرت ہو گی وہاں قطعی طور پر دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ دوسری شرط ہے کہ جہاں ہجرت کی جا رہی ہے وہاں کے باشندے یا مملکت خوشی سے آباد کرنے کی اجازت دیتے ہوں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ

وہ صرف رسمی ہجرت یا منتقل ہونا نہیں ہو گا بلکہ اس کے بعد اپنے مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا بھی ہے۔ جیسے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے اصحاب نے کیا۔ اس لیے قرآن حکیم میں اکثر هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا (البقرہ:۲۱۸) اکٹھا آیا ہے۔ یعنی جنہوں نے ہجرت کی اور جہد و جہاد میں جڑے رہے۔ ہجرت مشکلات سے فرار کا نام نہیں بلکہ یہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے ساز گار و معاون ماحول کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے۔

اس مادہ کا ایک لفظ مھجور ہے جو قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ کی ایک فریاد کے ساتھ بیان کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ اللہ کے حضور میں قیامت کے دن کہیں گے کہ "اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کریم کو مَهْجُوْرًا بنا دیا تھا۔"

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (الفرقان:۳۰)

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ابن فارس نے اس مادہ کے معنی میں دو چیزیں بیان کیے ہیں (۱) قطع و جدائی (۲) کس کر باندھنا۔ اوپر کی آیت میں مَهْجُوْرًا کی یہ دونوں معنائیں مراد ہیں۔ چھوڑ دینے؛ ترک کر دینے اور اعراض برتنے کے معنی میں ہم دیکھتے ہیں تو یہ واضح ہے کہ مسلمانوں نے قرآن حکیم کو اَلْکِتٰبُ یعنی قوانین خداوندی کے طور پر عملاً چھوڑ دیا ہے اور ترک کر دیا ہے۔ مَهْجُوْرًا کے دوسرے معنی کے لیے لغات القرآن نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے کہ "دیہی زندگی میں جو گائے یا بھینس دوڑ جاتی ہو اس کے پاؤں کے ساتھ ایک رسی باندھ دیتے ہیں اور رسی کا دوسرا سرا اس کے سینگ کے ساتھ یا گلے میں باندھ دیتے ہیں۔ لیکن رسی اتنی چھوٹی رکھتے ہیں کہ جانور کا سر بہت جھکا رہتا ہے۔ اس طرح یوں جکڑا جاتا ہے کہ آزادی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ عرب گھوڑوں اور اونٹوں کو اس طرح جکڑ کر باندھ دیتے تھے۔ اس طرح بندھے ہوئے جانور کو مَهْجُوْرٌ کہا جاتا تھا۔ اَلْهِجَارُ اس رسی کو کہتے تھے جس سے انہیں

اس طرح جکڑا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ اعتقادات، خیالات، رسومات، روایات، قوانین اور تفاسیر وغیرہ کی رسیوں سے جکڑ کر مہجور بنا رکھا تھا۔ جس سے وہ ایک قدم بھی آزادی سے نہیں اٹھا سکتے تھے۔" (لغات القرآن:۱۴۵۴)

یہ سارا ماجرا ہم اپنے گرد دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بظاہر قرآن حکیم کو چھوڑا نہیں ہے۔ انہوں نے حفظ و تجوید کے لاتعداد بڑے بڑے مدارس بنا رکھے ہیں جس میں لاکھوں لڑکے اور لڑکیاں قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ہر جگہ اس کی تلاوت کی گونج ہے اور رمضان المبارک میں پوری دنیا میں تراویح کے ذریعے اس کے مسلسل ختم القرآن بھی ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس کتاب کے قوانین کو چھوڑا ہے۔ اس کی انذار و بشارت سے معمور مقاصد وحی والی سچی تعلیم کو چھوڑا ہے۔ اس کی دعوت کو چھوڑا ہے۔ اس کی تعلیم دنیا میں عدل کے قیام کے لیے ہیں، مسلمان عدل سے کوسوں دور ہیں۔ وہ ظلم و استحصال کے خلاف کتابِ انقلاب ہے لیکن مسلمان اس انقلاب سے اعراض رکھتے ہیں بلکہ اکثر کے ہاں ظلم و استحصال ان کی سماجی زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔ مسلمانوں نے اس کے الفاظ کو یہودیوں کی طرح تحریف کر کے غلط معنی پہنائے ہیں۔ جس طرح یہود کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب آئی تھی تو بعد کے زمانے میں ایسا ہوا کہ یہود کے علماء نے بطور خود کتاب الٰہی کی جو تشریح و تعبیر کی، وہی یہود کے لیے ان کے دین کا اصل ماخذ بن گئی۔ کتابِ الٰہی کو وہ بدستور ایک مقدس کتاب مانتے تھے لیکن عملاً وہ علماء کے وضع کردہ دین پر قائم تھے۔ ان کے علماء یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (النساء:۴۶) کے ماسٹر مائینڈ تھے۔ یعنی وہ اللہ کے کلمات کو ان کے مقامات سے ہٹا دیتے تھے۔ انہوں نے اپنا کتاب چھوڑا نہیں تھا، سینوں سے لگا رکھا تھا۔ لیکن اس کا بیانیہ ان کی بنائی ہوئی "شریعت" کی تشریحات کے تابع بن گیا تھا۔ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کا بھی یہی

حال ہوا۔ بعد کے زمانے کے مسلمانوں کے لیے قرآن حکیم ایک مقدس کتاب کی حیثیت تو اختیار کر گیا لیکن ان کے علماء سو نے قرآنی اصطلاحات کے عظیم تصورات کو مسخ کیا۔ ان کے معانی اور تشریحات کو بدلا اور تاویلات کے ذریعہ روایات کے تابع کر دیا۔ ایمان و فکر، تقویٰ و توکل، تقدیر و شفاعت، صبر و شکر، انفاق و عدل، صلوٰۃ و زکوٰۃ، کتاب و وحی، تسبیح و مشیت، حلال و حرام جیسے کئی اصطلاحات کو مقاصد وحی اور سیاق و سباق سے ہٹا کر ایسے معنی پہنا دیے جس کی ملوکیت اور سرمائیداریت ان سے تقاضا کرتی تھی۔ اور جس سے ان کے اپنے نفسانی اور مالی مفادات کا تحفظ ہوتا تھا۔

انہوں نے مسلمانوں کے گلے اور ٹانگوں میں جو اَلْھِجَارُ رسیاں باندھیں ان کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔ پانچ ایمانیات پر مستزاد چھٹا ایمان والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ بنا کر ظلم اور استحصال میں پسے ہوئے محکوم عوام کے ذہنوں میں راسخ کر دیا کہ ان کے لیے اوپر والے نے ہی یہ سب کچھ مقدر کر دیا ہے۔ قرآن نے عدل کو سب سے بڑا تقویٰ قرار دیا تھا لیکن مذہبی پیشہ وریت نے اس عظیم قدر کو وضع قطع کی صورتوں میں مقید کر دیا۔ کفر اللہ تعالیٰ کے قوانین کے انحراف پر بھی محیط تھا لیکن انہوں نے اس کو یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے ناموں کے ساتھ ہی مختص کر دیا۔ عملو الصالحات کی انسانی نفع بخشی کی زندگی موہوم رکھنے کے لیے شفاعت، وسیلہ اور شب برات کے ذریعہ فلاح پانے کے عقیدے گھڑ لیے گئے۔ اسی طرح انہوں نے فقہ، کلام، فلسفہ اور تصوف کی صورت دین کا جو ورژن مدون کیا، اب مسلمانوں کے لیے عملی طور پر وہی دین کا ماخذ بن گیا ہے۔

مسلمانوں کے لیے قرآن حکیم اب ایک مقدس کتاب تو ہے لیکن رہنما کتاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن مہجور بنا ہوا ہے۔ مسلمان قرآن حکیم کو بدستور ایک مقدس کتاب تو مانتے ہیں لیکن ان کے متبادل کے طور وضع شدہ دین وہ اپنے مسلکی

رہنماؤں سے اخذ کرنے کے لیے اس طرح مجبور ہیں جس طرح یہود کے علماء احبار و رھبان نے اپنے لوگوں کو مجبور کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے حکمران شخصی اور خاندانی حکومتوں اور ملوکیت و آمریت کی بقا کے لیے ان کے سپورٹر، پروموٹر اور محافظ بن جاتے ہیں۔ اس طرح وہ گٹھ جوڑ وجود میں آجاتا ہے جس کا عندیہ قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے فرعون، قارون، ہامان اور بلعم باعور کی شکل میں بتایا تھا کہ یہی وہ گٹھ جوڑ (Nexsus) ہے جو انسانوں کو غلام بنا کر ان کا استحصال کرتا ہے۔ بجا طور پر یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ مسلمانوں نے عقیدہ کے طور پر قرآن کو مہجور نہیں بنایا لیکن عمل کے طور پر وہ ایسا مہجور بنا ہوا ہے کہ اس کے لانے والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی فریاد لازم بن گئی ہے۔

❖❖